(علامہ محمد اقبالؒ)
(۱۸۷۷ء-۱۹۳۷ء)

20 ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

شاعر کا تعارف

نام محمد اقبالؔ اور تخلص بھی اقبالؔ ہی تھا۔ اقبالؒ ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو سیال کوٹ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام نور محمد تھا۔ اقبالؒ کی ابتدائی تعلیم کا آغاز قدیم طرز پر ایک دینی مکتب میں ہوا۔ میٹرک کا امتحان نمایاں حیثیت میں پاس کرنے کے بعد وہ مرے کالج سیال کوٹ میں داخل ہو گئے جہاں انھوں نے مولوی میر حسن جیسے فاضل استاد سے فیض حاصل کیا۔ ایف۔ اے کرنے کے بعد وہ لاہور چلے آئے اور مزید تعلیم کے لیے گورنمنٹ کالج، لاہور میں داخل ہو گئے۔ یہاں انھیں 'سر ٹی۔ ڈبلیو آرنلڈ' جیسے خلیق استاد سے رہ نمائی حاصل کرنے کا بھرپور موقع ملا۔ یہیں سے علامہ اقبالؒ نے فلسفے میں ایم۔ اے کیا اور کچھ عرصے کے لیے اورینٹل کالج اور گورنمنٹ کالج لاہور میں تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

۱۹۰۵ء میں علم کی لذت اقبالؔ کو یورپ لے گئی۔ قیامِ یورپ کے دوران میں انھوں نے کیمبرج یونی ورسٹی، انگلستان سے بار ایٹ لا کی ڈگری حاصل کی اور جرمنی کی میونخ یونی ورسٹی سے "فلسفۂ ایران میں مابعد الطّبیعیات کا ارتقا" کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری لی۔ ۱۹۰۸ء میں وہ وطن لوٹ آئے اور اپنی شاعری کے ذریعے سے ملک وقوم کی اصلاح کا کام لینے لگے۔

۱۹۲۲ء اقبال کو سرکارِ برطانیہ کی طرف سے "سر" کا خطاب ملا۔ ۱۹۳۰ء میں وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ ۲۱۔ اپریل ۱۹۳۸ء کو یہ عظیم شاعر اور فلسفی دارفانی سے کوچ کر گئے۔

علامہ اقبالؔ قومی شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ قومی رہ نما اور عظیم مفکر بھی تھے۔ انھوں نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں پُر سوز اور دل گداز شاعری کی۔ انھوں نے اپنی شاعری کا آغاز غزل گوئی سے کیا تھا، مگر جلد ہی ان کی طبیعت نظم گوئی کی طرف مائل ہو گئی۔ انھوں نے متعدد نظمیں لکھ کر قوم کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اس میں جہانِ تازہ کی جستجو کا جذبہ بھی ابھارا۔ اقبال نے اردو نظم کو فن اور موضوع کے اعتبار سے جو وسعت عطا کی وہ انھی کا حصہ ہے۔ انھوں نے اپنی فکر اور مشاہدہ سے اردو شاعری کو لازوال عظمت و رفعت سے ہم کنار کیا۔ اقبالؒ بلاشبہ اسلامی نشاۃ ثانیہ کے سب سے بڑے علم بردار تھے۔

اقبالؒ کی شعری تصانیف میں بانگِ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم، پیامِ مشرق اور ارمغانِ حجاز وغیرہ بالخصوص قابلِ ذکر ہیں۔

اشعار کی تشریح

شعر نمبر 1 ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں　　ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

حلِ لغت جہاں (دنیا)، امتحاں (آزمائش)

مفہوم ستاروں سے آگے اور بھی دنیائیں ہیں، ابھی عشق کے مزید امتحان باقی ہیں۔

تشریح

شاعرِ مشرق، مفکرِ اسلام علامہ محمد اقبالؒ اسلامی جذبوں کے شاعر ہیں۔ دیگر شعرا کی طرح ان کی غزل محبوب کے لب و رخسار اور ہجر و فراق تک محدود نہیں بلکہ وہ اپنی قوم کو امید، ہمت، خودی، خودداری اور جدوجہد کا درس دیتے ہیں۔

تشریح طلب شعر میں علامہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ جس طرح ستاروں سے آگے اور بھی دنیائیں ہیں، اسی طرح سے عشق کی آزمائشیں اور منزلیں اختتام پذیر نہیں ہوتیں۔ اگرچہ انسان نے ستاروں اور سیاروں تک رسائی حاصل کر لی ہے لیکن یہ سب اس کی منزل نہیں، بلکہ یہ تو اس کے سفر کی ابتدا ہے۔ ان ستاروں سے آگے بھی نئی دنیائیں ہیں جو ابھی نامعلوم اور نادریافت شدہ ہیں، انھیں

دریافت کرنا اور تسخیر کرنا ابھی باقی ہے۔ چناں چہ انسان کی جدوجہد اختتام پذیر نہیں ہوئی بلکہ اسے مزید کڑے امتحانوں کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ انسان کو موجودہ حالات اور کامیابی پر مطمئن نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہمیشہ خوب سے خوب تر کی جستجو میں رہنا چاہیے۔

مصرع ثانی میں ''عشق کے امتحان'' سے مراد انسان کی ذات میں موجود بے شمار صلاحیتوں کی آزمائش اور مسلسل جدوجہد ہے۔ یہ امتحان ہی انسان کو کندن بناتے ہیں اور اسے اوجِ کمال پر فائز کرتے ہیں۔ ایک بہترین انسان وہی ہوتا ہے جو کڑے امتحانوں سے گزرا ہو۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں:

؎ دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر نیا زمانہ، نئے صبح و شام پیدا کر (علامہ اقبالؒ)

اقبالؒ کے ہاں عشق اور خودی ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ اقبالؒ کے نزدیک عشق ایک ایسا جذبہ ہے، جس کے بغیر خودی ترقی کے مراحل سے نہیں گزر سکتی۔ عشق وہ جذبہ ہے جو انسان کو کسی چیز کے حصول کے لیے متحرک رکھتا ہے۔ عشق کا خاصہ ہے کہ وہ کسی کو پالینے کی آرزو اور صلاحیت رکھتا ہے۔ عشق کی خاصیت ہے کہ وہ پالینے کے باوجود بھی ایک نئی آرزو پیدا کرتا رہتا ہے اور نئی سے نئی چیز مسخر کرنے کی جستجو میں رہتا ہے۔ عشق ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے۔ ایک جگہ اقبالؒ عشق کو یوں بیان کرتے ہیں:

؎ صدقِ خلیل بھی ہے عشق، صبرِ حسین بھی ہے عشق معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق (علامہ اقبالؒ)

چناں چہ اقبال نوجوانوں سے کہتے ہیں کہ ابھی تمھارے عشق اور تمھاری خودی کے مزید امتحان باقی ہیں۔ تمھاری ترقی ستاروں تک محدود نہیں ہے۔ ستارے آسمان کی آخری بلندی یا حد نہیں ہیں۔ تمھارے لیے ابھی مزید بلندیاں باقی ہیں۔ نئے نئے حقائق وقت کی آغوش سے اُبھر رہے ہیں۔ کائنات کے اسرار و رموز برق رفتاری سے واضح ہو رہے ہیں۔ ایسے عالم میں تمھیں اپنی جستجو کو زندہ رکھنا چاہیے۔ ہمیشہ خوب سے خوب تر کی جستجو میں رہنا چاہیے۔ ایک اور جگہ اقبالؒ کہتے ہیں:

؎ پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تُو ہے (علامہ اقبالؒ)

اس شعر میں علامہ اقبالؒ نے ہمت، حوصلہ اور نئی راہیں تلاش کرنے کی ترغیب دینے والا ایک لافانی پیغام دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان کی زندگی کا مقصد صرف سکون سے بیٹھ کر وقت گزارنا نہیں، بلکہ مسلسل سیکھنا، اپنی حدود کو روز بروز وسیع تر کرنا اور نئی بلندیوں کو سر کرنا ہے۔ ستاروں سے آگے جہاں تلاش کرنے کا مطلب ہے کہ اپنی فکر کو محدود نہ رکھیں بلکہ اپنی سوچ کے افق کو وسیع کر لیں تاکہ امکانات کی دنیا آباد رہے۔ جب تک انسان کے دل میں کچھ نیا کرنے کی تڑپ اور منزل کو پانے کا جذبہ باقی ہے، تب تک وہ کامیابی کی منزلیں طے کرتا رہے گا اور یہی زندگی کی سب سے بڑی اور حقیقی کامیابی ہے۔

فنی محاسن شعر فنی محاسن سے بھرپور ہے۔ شعر میں ''عشق'' کا لفظ روایتی انداز سے ہٹ کر ایک وسیع معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں شعر سہلِ ممتنع کی عمدہ مثال ہے۔ شعر کی ردیف ''اور بھی ہیں'' شعر کے مفہوم میں وسعت پیدا کرتی ہے۔

شعر نمبر 2 تہی، زندگی سے نہیں یہ فضائیں یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں

حلِ لغت تہی (خالی)، فضائیں (مراد کائناتیں، دنیائیں) سیکڑوں (کئی سو) کارواں (قافلے)

مفہوم یہ دنیائیں زندگی سے خالی نہیں ہیں بلکہ یہاں سیکڑوں اور بھی کارواں ہیں جو رواں دواں ہیں۔

تشریح

شاعرِ مشرق، مفکرِ اسلام علامہ محمد اقبالؒ اسلامی جذبوں کے شاعر ہیں۔ دیگر شعرا کی طرح ان کی غزل محبوب کے لب و رخسار اور ہجر و فراق تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ اپنی قوم کو امید، ہمت، خودی، خودداری اور جدوجہد کا درس دیتے ہیں۔

تشریح طلب شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ یہ فضائیں جو ہمیں خالی اور ویران نظر آتی ہیں، درحقیقت یہ زندگی سے خالی نہیں ہیں بلکہ یہاں سیکڑوں قافلے اور بھی رواں دواں ہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ زندگی سے لبریز ہے۔ اگر انسان اپنی سوچ کو وسعت دے

تو اسے ہر چیز میں حرکت اور زندگی کے آثار دکھائی دیں گے۔

ہر شے مسافر، ہر چیز راہی کیا چاند تارے، کیا مرغ و ماہی (علامہ اقبال)

''فضائیں'' کائنات کی وسعتوں کی علامت ہیں۔ ان سے مراد صرف آسمان اور خلا نہیں ہے بلکہ یہ ہمارے ماحول میں بظاہر ناممکن نظر آنے والے مواقع بھی ہیں۔ اگر کوئی راستہ یا میدان بظاہر ویران اور خالی نظر آتا ہے تو لازمی نہیں کہ وہ زندگی کے امکانات سے خالی ہے۔ اقبالؒ انسان کو خود غرضی سے نکال کر اجتماعی اور عالمی سوچ کی دعوت دیتے ہیں۔

مصرع ثانی میں ''کارواں'' علامت ہے تلاش وجستجو، ترقی اور بقا کے لیے سفر کرنے والوں کی۔ ''سیکڑوں کارواں'' سے مراد صرف انسانوں ہی کے قافلے نہیں بلکہ کائنات میں موجود بے شمار کہکشائیں، سیارے اور دیگر مخلوقات بھی ہیں جو اپنی منزل کی جستجو میں متحرک اور رواں دواں ہیں۔ اگر انسان غور کرے تو اسے اپنے علاوہ بے شمار چیزیں نظر آئیں گی جو اپنے اپنے دائرۂ کار میں محوِ سفر ہیں۔ اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت اور سچائی حرکت و عمل ہے۔ چلنے والے آگے نکل جاتے ہیں جب کہ سستی اور کاہلی سے کام لینے والے ناکام ونامراد رہتے ہیں۔ حرکت ہی زندگی ہے، جمود تو موت کا دوسرا نام ہے۔

چلنے والے نکل گئے ہیں جو ٹھہرے ذرا کچل گئے ہیں
اس راہ میں مقام بے محل ہے پوشیدہ قرار میں اجل ہے (علامہ اقبال)

اس شعر میں علامہ اقبالؒ دراصل ایک کائناتی سچائی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ زندگی نام ہی حرکت اور جدوجہد کا ہے۔ ایک کارواں کا مطلب صرف انسانوں کا گروہ نہیں بلکہ انسانی خیالات، نظریات اور کوششوں کا وہ تسلسل ہے جو ہر دور میں جنم لیتا رہتا ہے۔ دنیا میں ہمیشہ نئے امکانات، نئے خیالات اور نئی راہیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ کسی ایک ناکامی پر یہ سمجھ لینا کہ سب کچھ ختم ہو گیا، دراصل حقیقت سے آنکھیں چُرانے کے مترادف ہے۔ علامہ اقبالؒ یہ پیغام دیتے ہیں کہ اگر آپ کی زندگی میں جمود آ گیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ کائنات بھی جمود کا شکار ہے۔ آپ کی ہمت اور آپ کا عزم اس بات کا متقاضی ہے کہ آپ اس کائناتی حرکت میں شامل ہوں اور نئے قافلوں کے ساتھ مل کر آگے بڑھیں۔

یہ شعر قنوطیت پسندی کے خلاف ایک مضبوط دلیل ہے۔ یہ انسان کے اندر حوصلہ پیدا کرتا ہے کہ وہ حالات کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کی بجائے اپنی توانائیاں دوبارہ جمع کرے۔ کائنات کی یہ فضائیں خالی نہیں ہیں، بلکہ ان میں بے شمار امکانات پوشیدہ ہیں۔ زندگی مسلسل تغیر کا نام ہے اور اس تغیر میں ہی ترقی کا راز پنہاں ہے۔ جو انسان اپنی محدود سوچ سے باہر نکل کر کائنات کے اس وسیع تناظر کو دیکھ لیتا ہے، وہی اصل میں زندگی کے حسن سے آشنا ہوتا ہے۔ حضرت اقبالؒ کی یہ فکر ہمیں یہ باور کراتی ہے کہ مایوسی کفر ہے اور زندگی کے ہر موڑ پر امید کا چراغ روشن رکھنا ہی حیات کا اصل مقصد ہے۔ یہ شعر انسانی ذہنیت کو بدلنے اور اسے ایک مثبت زاویۂ نگاہ دینے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے، جس سے مایوسی کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں اور زندگی کی نئی راہیں روشن ہوتی دکھائی دیتی ہیں۔

فنی محاسن شعر فنی محاسن سے بھرپور ہے۔ شعر میں فلسفیانہ انداز میں کائنات کی وسعتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ ''سیکڑوں کارواں'' کے الفاظ بطور علامت استعمال ہوئے ہیں جس سے شعر کے مفہوم میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔

شعر نمبر 3 قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

حل لغت قناعت (صبر)، عالمِ رنگ و بو (مراد دنیا) چمن (باغ، مراد جہان) آشیاں (گھونسلا)

مفہوم دنیا کی اس ظاہری چکا چوند پر اکتفا مت کر، ابھی بہت سی دنیائیں اور منزلیں اور بھی ہیں۔

تشریح

شاعرِ مشرق، مفکرِ اسلام علامہ محمد اقبالؒ اسلامی جذبوں کے شاعر ہیں۔ دیگر شعرا کی طرح ان کی غزل محبوب کے لب و رخسار اور ہجر و فراق تک محدود نہیں بلکہ وہ اپنی قوم کو امید، ہمت، خودی، خودداری اور جدوجہد کا درس دیتے ہیں۔

تشریح طلب شعر میں شاعر انسان کو اس بے عملی اور جمود سے باہر نکلنے کی تلقین کرتا ہے جو عموماً کامیابی کے بعد پیدا ہو جاتی ہے۔ کسی چیز کو حاصل کرنے کے بعد انسان مطمئن ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہی میری منزلِ مقصود تھی۔ یہی اصل گوہرِ نایاب ہے۔ اس رویے سے سستی اور کاہلی پیدا ہوتی ہے اور انسان محنت اور جدوجہد ترک کر دیتا ہے جو اس کے لیے موت کے مترادف ہے۔ چناں چہ اقبالؒ نصیحت کرتے ہیں کہ اس فانی دنیا کی ظاہری چکا چوند، چمک دمک، خوب صورتی، مادی آسائشوں اور وقتی کامیابیوں پر مطمئن ہو کر مت بیٹھو، اپنی حقیقی منزل کا سفر مت روکو۔ یہ دنیا تو ایک امتحان گاہ ہے اور اس کی ہر چیز فانی ہے۔ اس کی کامیابی عارضی ہے۔ تمھارے لیے دنیائیں اور بھی ہیں۔ تمھاری منزلیں ابھی نہیں آئیں۔ لہٰذا تمھیں جدوجہد کرتے رہنا ہے۔

؎ تو رہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول   لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول   (علامہ اقبالؒ)

"عالمِ رنگ و بو" دنیا کی عارضی زیبائش اور فریب کا استعارہ ہے۔ یہ مادی دنیا اپنی خوب صورتی اور دل کشی میں الجھا کر انسان کو مزید جدوجہد سے روک دیتی ہے۔ اس لیے اقبالؒ کہتے ہیں موجودہ آسائشیں عارضی ہیں، ان پر اکتفا نہ کرو بلکہ آگے بڑھتے رہو۔ اگر تم نے ایک گھونسلا بنا لیا ہے تو یہ مت سمجھو کہ یہی تمھاری آخری منزل ہے۔ یہ کائنات بہت وسیع ہے، اس میں اور بھی بہت سے چمن، بہت سی دنیائیں اور مواقع ہیں۔ تمھارا سفر رکنا نہیں چاہیے بلکہ مسلسل جاری رہنا چاہیے۔ کامیابی کی منزلیں ابھی باقی ہیں۔ بہت سی نئی دنیائیں ابھی موجود ہیں۔

؎ چلنے والے نکل گئے ہیں   جو ٹھہرے ذرا کچل گئے ہیں
اس راہ میں مقام بے محل ہے   پوشیدہ قرار میں اجل ہے   (علامہ اقبالؒ)

"قناعت" ٹھہراؤ اور جمود کا نام ہے جب کہ "چمن" نئی جگہوں اور امکانات کی علامت ہے۔ یہ شعر خود انحصاری، بلند حوصلگی اور نئی منزلوں کی تلاش کا پیغام ہے کہ انسان کو آخری سانس تک جدوجہد جاری رکھنی چاہیے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے بھی پیغام ہے جو معمولی کامیابیوں پر مطمئن اور مغرور ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور مزید کے لیے کوشش ترک کر دیتے ہیں۔

؎ پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی   ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تُو ہے   (علامہ اقبالؒ)

دراصل اقبالؒ اس شعر میں ہمارے اندر عمل کی ایک ایسی شمع روشن کرتے ہیں جو ہمیں ہمیشہ متحرک رکھتی ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ ہم صرف اس لیے پیدا نہیں ہوئے کہ چند دن آرام سے گزار لیں، بلکہ ہمارا مقصد بہت بلند اور کائناتی ہے۔ جب ہم اپنی سوچ کو اس سطح پر لے آتے ہیں کہ ہمیں مزید بہت کچھ کرنا ہے تو ہماری زندگی کا معیار بھی بدل جاتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی ذات کو، اپنی صلاحیتوں کو اور اپنے خوابوں کو ہمیشہ وسعت دیتے رہیں۔ جب انسان یہ مان لیتا ہے کہ دنیا میں ابھی بہت کچھ دیکھنا، سیکھنا اور حاصل کرنا باقی ہے تو اس کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے اور وہ ہر مشکل کو عبور کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ یہی وہ زندگی ہے جسے اقبالؒ پسند کرتے ہیں ایک ایسی زندگی جو مسلسل ارتقا کی طرف گامزن ہو جو کبھی اپنی موجودہ حالت پر رک کر اسے آخری منزل نہ سمجھے، بلکہ ہر نئی صبح کو ایک نئی منزل کی شروعات مان کر آگے بڑھتی جائے۔ یہی انسانیت کی بقا اور کامیابی کا اصل راز ہے۔

فنی محاسن شعر فنی محاسن سے بھرپور ہے۔ شعر میں "رنگ و بو، چمن، اور آشیاں" کے الفاظ ایک ہی قبیل کے ہیں جو صنعت مراعاۃ النظیر ہے۔ علاوہ ازیں "عالمِ رنگ و بو"، "چمن" اور "آشیاں" کے الفاظ بطور استعارہ استعمال ہوئے ہیں۔ شعر کی ردیف "اور بھی ہیں" شعر کے مفہوم میں وسعت پیدا کرتی ہے۔

شعر نمبر 4

اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم   مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں

حل لغت کھو گیا (ضائع ہو گیا)، نشیمن (گھونسلا، گھر) مقاماتِ آہ و فغاں (رونے دھونے کے مقام)

مفہوم اگر ایک نشیمن (ٹھکانا) کھو گیا ہے تو اس پر غم نہ کرو، زندگی میں اور بہت سے مقامات ہیں جہاں ابھی آنسو بہانے ہیں۔

تشریح

شاعرِ مشرق، مفکرِ اسلام علامہ محمد اقبالؒ اسلامی جذبوں کے شاعر ہیں۔ دیگر شعرا کی طرح ان کی غزل محبوب کے لب و رخسار اور ہجر و فراق تک محدود نہیں بلکہ وہ اپنی قوم کو امید، ہمت، خودی، خودداری اور جدوجہد کا درس دیتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ کا یہ شعر انسانی حوصلے، ہمت اور وسعتِ نظری کی بہترین عکاسی کرتا ہے۔ اس شعر میں شاعر ایک بہت بڑی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ انسان کی زندگی میں اگر کبھی کوئی ایک ٹھکانا یا مقصد کھو جائے یا کوئی ایک راستہ بند ہو جائے تو اس سے مایوس ہو کر بیٹھ نہیں جانا چاہیے۔ زندگی بہت وسیع ہے اور اس میں کامیابی کے لاتعداد مواقع موجود ہیں۔

نشیمن کا مطلب ہے پرندے کا گھونسلا، جہاں وہ سکون سے رہتا ہے اور خود کو محفوظ سمجھتا ہے۔ استعارتاً یہ انسان کی کسی منزل، کسی مقصد، کسی رشتے یا کسی ایسے مقام کی علامت ہے جس سے اسے بہت لگاؤ ہو اور جسے وہ اپنی پہچان سمجھتا ہو۔ جب انسان اپنی زندگی میں کسی خاص چیز یا مقام کے ساتھ جذباتی طور پر جڑ جاتا ہے تو اسے کھونے کا دکھ بہت گہرا ہوتا ہے۔ شاعر یہاں یہی تسلی دے رہے ہیں کہ اگر زندگی میں کوئی ایک چیز یا ایک ٹھکانا چھوٹ جائے تو اس پر افسوس کرنا یا مایوس ہو جانا عقل مندی نہیں ہے۔

تشریح طلب شعر میں شاعر کہتے ہیں اگر ایک آشیانہ اُجڑ گیا ہے تو غم نہ کرو، ابھی اور بھی بہت سی جگہیں ہیں جہاں اس سے زیادہ غم ہیں، وہاں یہ جذبہ دکھایا جا سکتا ہے۔ وہاں آنسو بہائے جا سکتے ہیں۔ انگریزوں نے جب برصغیر پر قبضہ کیا تو مسلمانوں کی صدیوں سے قائم حکومت مسلمانوں کے ہاتھ سے چلی گئی۔ مسلمان اپنی حکومت و سلطنت کے چھن جانے پر بہت غم زدہ تھے۔ ایسے میں اقبالؒ جیسے صاحبِ نظر دانش ور انھیں متوجہ کرتے ہیں کہ صرف یہ ایک ملک اور اس کی حکومت ہی نہیں تم سے کھو گئی، آنسو بہانے اور غم کرنے کا صرف ایک ہی مقام نہیں ہے بلکہ تم سے عالمی حکومت خلافتِ عثمانیہ چھن گئی، تمھارا اپنے دین پر عمل پہلے جیسا نہیں رہا، تمھارا خدا کے ساتھ تعلق کمزور ہو گیا ہے۔ تمھیں اپنی تہذیب اور معاشرت سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ تمھیں اپنے اسلاف سے نسبتِ روحانی نہیں رہی۔ تم نے قرآن کو پسِ پشت ڈال دیا۔ تم اتحاد و اتفاق کو چھوڑ کر آپس میں دست و گریباں ہو گئے ہو۔ تم نے ذات پات اور فرقہ بندیوں کے بت تراش لیے۔ تم علم اور اخلاق میں دنیا سے بہت پیچھے رہ گئے۔ الغرض بہت سے مقامات ہیں جو اس سے زیادہ الم ناک ہیں، جن پر اس سے زیادہ آنسو بہانے اور غم کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک اور جگہ اقبالؒ کہتے ہیں:

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی   ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی   نہیں دنیا کے آئینِ مسلّم سے کوئی چارا   (علامہ اقبالؒ)

شعر میں مایوسی اور ناکامی کو شکست دینے، ایک نئے عزم کے ساتھ دوبارہ آغاز کرنے کا پیغام بھی موجود ہے۔ یعنی اگر زندگی میں کوئی نقصان ہو جائے یا کوئی آرزو یا خواہش ٹوٹ جائے تو انسان کو اسی غم میں ڈوب کر نہیں بیٹھ جانا چاہیے بلکہ اسے یہ سمجھنا چاہیے کہ زندگی کے سفر میں ابھی بہت سے مقامات اور مواقع باقی ہیں جو کہیں زیادہ بڑے ہیں۔ انسان کو کسی بھی حالت میں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

مختصر یہ کہ اقبالؒ ہمیں مایوسی کے اندھیروں سے نکال کر امید کی کرن دکھاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کسی نقصان یا ناکامی کو اپنی زندگی کی آخری حد نہ سمجھیں۔ اگر ایک خواب ٹوٹ جائے تو دوسرا دیکھنے کی ہمت رکھنی چاہیے۔ زندگی کا سفر تبھی رواں دواں رہتا ہے جب ہم اپنی ماضی کی محرومیوں کو چھوڑ کر مستقبل کے امکانات پر نظر رکھیں۔ یہ شعر اصل میں بلند حوصلگی، عزم و استقلال اور مثبت

سوچ کا درس ہے، جو ہمیں سکھاتا ہے کہ ہمیشہ اپنے اندر اتنی وسعت پیدا کریں کہ ایک نقصان آپ کی پوری زندگی کو متاثر نہ کر سکے۔ ایک اور جگہ اقبالؒ کہتے ہیں:

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

فنی محاسن شعر فنی محاسن سے بھرپور ہے۔ شعر میں ''نشیمن'' کا لفظ بطور استعارہ استعمال ہوا ہے۔ شعر کی ردیف ''اور بھی ہیں'' شعر کے مفہوم میں وسعت پیدا کرتی ہے۔

شعر نمبر 5 تُو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

حل لغت شاہین (عقاب، بلند پرواز پرندہ)، پرواز (ہوا میں بلند اُڑنا)

مفہوم اے نوجوان! تو شاہین صفت ہے۔ بلند پروازی ہی تیرا کام ہے۔ کسی ایک منزل پر رکنا تیرا کام نہیں۔ تیرے سامنے اور بھی بلندیوں کے آسمان ہیں۔

تشریح

شاعرِ مشرق، مفکرِ اسلام علامہ محمد اقبال اسلامی جذبوں کے شاعر ہیں۔ دیگر شعرا کی طرح ان کی غزل محبوب کے لب و رخسار اور ہجر و فراق تک محدود نہیں بلکہ وہ اپنی قوم کو امید، ہمت، خودی، خودداری اور جدوجہد کا درس دیتے ہیں۔

تشریح طلب شعر میں شاعر کہتے ہیں اے نوجوان! تو شاہین کی مانند ہے۔ تیرے سامنے ابھی کئی اور آسمان ہیں۔ پرواز سے تھک کر رُک جانا تیرا شیوہ نہیں بلکہ بلند پروازی ہی تیرا دستور ہے۔ تجھے مسلسل پرواز کرتے رہنا ہے۔ زندگی رکنے کا نام نہیں بلکہ حرکت و عمل اور جہدِ مسلسل کا نام ہے۔ ٹھہراؤ اور قیام دراصل موت کا دوسرا نام ہے۔ پانی اگر متحرک رہے تو صحیح رہتا ہے لیکن اگر رُک جائے تو وہ خراب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان خصوصاً نوجوان مسلسل جدوجہد کرتے رہیں تو کامیابیاں اور نئی راہیں ملتی رہتی ہیں لیکن اگر کسی ایک جگہ ٹھہر جائیں تو ان کی صلاحیتیں زنگ آلود ہو جاتی ہیں۔ چناں چہ مسلسل جدوجہد میں رہنا ہی انسان کو زندہ رکھتا ہے اور اس کا خون گرمائے رکھتا ہے۔

؎ جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا لہو گرم رکھنے کا ہے اِک بہانہ (علامہ اقبالؒ)

''آسماں اور بھی ہیں'' سے مراد ہے کہ کامیابیوں کی کوئی حد نہیں ہے، ترقی کی منزلیں ہمیشہ موجود ہیں۔ ہر منزل کے بعد ایک نئی منزل موجود ہے۔ ہر بلندی کے بعد ایک نئی بلندی ہے۔ نئی دنیائیں اور نئی راہیں تجھے دیکھ رہی ہیں۔ بلند پروازی اور ترقی کا یہ سفر رکنا نہیں چاہیے بلکہ ہمیشہ جاری رہنا چاہیے۔

؎ شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا پُر دم ہے اگر تُو تو نہیں خطرۂ افتاد (علامہ اقبالؒ)

''شاہین'' کی علامت کلامِ اقبال میں محض ایک پرندہ یا شاعرانہ تشبیہ نہیں بلکہ اقبالؒ کے نظامِ فکر میں اس کی ایک خاص حیثیت ہے۔ شاہین کی علامت اقبال کے فلسفۂ خودی، مردِ مومن اور عشق و عمل کی عکاس ہے۔ شاہین یا عقاب ایک ایسا پرندہ ہے جو بلند پرواز اور خوددار ہوتا ہے۔ بلند و بالا پہاڑوں میں رہتا ہے۔ وہ دوسرے پرندوں کی طرح دوسروں کے گھونسلوں پر انحصار نہیں کرتا۔ حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہے، حالات کے تابع نہیں ہوتا بلکہ حالات کو اپنے تابع کر لیتا ہے اور ان پر قابو پا لیتا ہے۔ مثال کے طور پر بارش میں دوسرے پرندے اور جانور اپنے گھونسلوں میں چھپ جاتے ہیں لیکن شاہین گھونسلے میں چھپنے کی بجائے پرواز کرتا رہتا ہے اور پرواز کرتے کرتے بادلوں سے بھی اوپر چلا جاتا ہے۔ شاہین جلال و جمال کی صفات کا حامل ہے۔ جہدِ مسلسل، خطر پسندی، جرأت و بہادری، دور اندیشی، بلند نظری، بلند حوصلگی اور بلند پروازی اس کی خوبیاں ہیں۔ ظفر صدیقی کے نام ایک خط میں اقبال شاہین کی خود وضاحت کرتے ہیں:

''شاہین کی تشبیہ محض شاعرانہ تشبیہ نہیں، اس جانور میں اسلامی فقر کے تمام خصوصیات پائے جاتے ہیں۔(1) خوددار اور غیرت مند ہے کہ اور کے ہاتھ کا مارا ہوا شکار نہیں کھاتا۔(2) بے تعلق ہے کہ آشیانہ نہیں بناتا۔(3) بلند پرواز ہے۔(4) خلوت پسند ہے۔(5) تیز نگاہ ہے۔'' (مکاتیبِ اقبال، اقبال نامہ ص 194، اقبال اکیڈمی لاہور 2005ء)

شاہین کی انھیں خوبیوں کی وجہ سے اقبالؒ اسے پسند کرتے ہیں اور نوجوانوں کو شاہین صفت دیکھنا چاہتے ہیں۔ مسلم نوجوانوں کو بیدار کرنے کے لیے اور ان کی کردار سازی کے لیے وہ شاہین کی علامت استعمال کرتے ہیں۔ چناں چہ ان کے کلام میں جگہ جگہ شاہین کی علامت نظر آتی ہے:

- پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں ۔۔۔ کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ (علامہ اقبالؒ)
- پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں ۔۔۔ کرگس کا جہاں اور ہے، شاہیں کا جہاں اور (علامہ اقبالؒ)
- جوانوں کو میری آہِ سحر دے ۔۔۔ پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے (علامہ اقبالؒ)

اس شعر میں علامہ اقبالؒ انسان کو مایوسی اور سستی سے نکال کر ایک فعال اور متحرک زندگی گزارنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے رکاوٹیں یا مشکلات نہیں بلکہ نئے امکانات اور مواقع ہیں۔ اگر ہم اپنی سوچ کو وسیع کریں اور اپنی ہمت کو جوان رکھیں تو ہمارے لیے کامیابی کے راستے کبھی بند نہیں ہوں گے۔ ہر نیا دن ہمارے لیے ایک نیا آسمان ہے جسے ہم نے سر کرنا ہے۔ جو شخص یہ جان لیتا ہے کہ وہ بہت کچھ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، وہی دراصل اپنی زندگی کا درست استعمال کرتا ہے۔ لہٰذا، اپنی پرواز کو جاری رکھیں اور یہ یقین رکھیں کہ تمھارے سامنے ابھی بہت سی منزلیں اور بہت سے آسمان موجود ہیں جنھیں تمھاری ہمت اور لگن کی ضرورت ہے۔ اپنی جستجو کو کبھی ماندمت پڑنے دیں کیوں کہ زندگی صرف مسلسل چلتے رہنے اور نئی بلندیوں کو چھونے کا نام ہے۔

فنی محاسن شعر فنی محاسن سے بھرپور ہے۔ شعر میں ''شاہین'' بطور استعارہ استعمال ہوا ہے۔ ''شاہین، پرواز، آسماں'' کے الفاظ ایک ہی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں جو صنعت مراعاۃ النظیر ہے۔ شعر نہایت بلیغ ہے۔

شعر نمبر 6
اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا ۔۔۔ کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

حلِ لغت شب و روز (دن رات، مراد وقت کی گردش)، الجھ کر رہ جانا (پھنس کر رہ جانا) زمان و مکاں (زمانہ اور مقام، وقت اور دنیا)

مفہوم معمولی خواہشات کے پیچھے بھاگنے میں اپنا وقت ضائع مت کرو، بڑے بڑے مقاصد تمھاری راہ دیکھ رہے ہیں۔

تشریح

شاعرِ مشرق، مفکرِ اسلام علامہ محمد اقبالؒ اسلامی جذبوں کے شاعر ہیں۔ دیگر شعرا کی طرح ان کی غزل محبوب کے لب و رخسار اور ہجر و فراق تک محدود نہیں بلکہ وہ اپنی قوم کو امید، ہمت، خودی، خودداری اور جدوجہد کا درس دیتے ہیں۔

تشریح طلب شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ زندگی کو معمول کے کاموں میں ضائع مت کرو، تمھاری حقیقت اور مقام ان سے بہت بلند ہے۔ تمھارے لیے اور بھی جہان اور مقاصد ہیں۔ تم وقت اور حالات کے ظاہری جال میں الجھ کر نہ رہ جاؤ۔ ان کے علاوہ اور بھی زمان و مکان کی وسعتیں ہیں جہاں تم نے اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنا ہے۔ تم چھوٹی چھوٹی خواہشات اور چھوٹے چھوٹے مقاصد میں پھنس کر نہ رہ جاؤ، بلکہ بڑے مقاصد اور بلند منزلوں کے حصول کے لیے جدوجہد کرو۔ تم شاہین صفت ہو جس کا کام بلند پروازی کے ساتھ عروج اور ترقی کی منزلیں طے کرنا ہے۔ ایک اور جگہ اقبال کہتے ہیں:

- نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر ۔۔۔ تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر (علامہ اقبالؒ)

''روز وشب'' سے مراد روز مرہ کی عام اور جز وقتی مصروفیات ہیں۔ یہ عارضی خوشیاں ہیں۔زندگی کی اصل حقیقت نہیں۔زندگی رسمی کاموں کا نام نہیں بلکہ ایک وسیع کائناتی سفر ہے۔انسان کی حقیقت ان زنجیروں سے بلند ہے۔ان کے علاوہ اور بھی زمان ومکان ہیں اوران کی وسعتیں ہیں۔تمھاری زندگی محض پیسہ کمانا اور کھانا پینا نہیں۔زندگی کے کچھ اور مقاصد اور منزلیں بھی ہیں جوان سے بہت بلند ہیں۔

ے پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تُو ہے (علامہ اقبال)

اقبال انسان کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ کائنات کی وسعتیں اور انسانی روح کی پرواز اس مادی دنیا اور وقت کی قید سے کہیں آگے ہے۔اگر انسان خود کو صرف روز مرہ کے دنیوی معاملات، معاشی تفکرات اور شب وروز کے معمولات تک محدود کرلے گا تو وہ اپنی اس حقیقی بیداری اور بلند مرتبے کو کھودے گا جو اسے کائنات کی دیگر مخلوقات سے ممتاز کرتا ہے۔زمان ومکاں کی یہ ظاہری سرحدیں انسان کے عزمِ صمیم اور ذوقِ طلب کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں بلکہ ایک سچے مومن کا اصل ہدف تو ان لامتناہی آفاق اور روحانی منازل کی تسخیر ہے جو اس مادی دنیا سے پرے اور پوشیدہ ہیں۔

ے دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر (علامہ اقبال)

مختصر یہ کہ یہ شعر انسان کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے ہے۔اقبالؒ اس میں سمجھاتے ہیں کہ زندگی کا مقصد صرف صبح وشام کے معمولات کو پورا کرنا نہیں ہے، بلکہ اپنی ذات کی گہرائیوں میں اترنا، اپنے اندر چھپے ہوئے کمالات کو تلاش کرنا اور اس کائنات میں موجود اللہ کی تخلیق کی وسعتوں کو محسوس کرنا ہے۔جب ہم اس چھوٹے سے دائرے سے باہر نکل کر سوچنا شروع کرتے ہیں، تب ہی ہمیں اپنے ہونے کا اصل مقصد سمجھ میں آتا ہے۔پس، اپنی نظر کو وسیع رکھیں، اپنی سوچ کو بلند رکھیں اور اپنے زمان ومکاں کی تلاش میں نکل پڑیں کیوں کہ آپ کی صلاحیتیں اس معمولی زندگی سے کہیں زیادہ بڑی اور روشن ہیں۔

فنی محاسن شعر فنی محاسن سے بھرپور ہے۔شعر میں ''روز وشب'' کے الفاظ بطور علامت استعمال ہوئے ہیں۔''روز، شب، زمان اور مکان'' کے الفاظ ایک ہی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں جو صنعت مراعات النظیر ہے۔

شعر نمبر 7 گئے دن، کہ تنہا تھا مَیں انجمن میں یہاں اب مِرے رازداں اور بھی ہیں

حلِ لغت انجمن (محفل، مراد قوم وملت)، رازداں (بھید جاننے والے)

مفہوم اب پہلے جیسا وقت نہیں کہ جب میں اس محفل میں تنہا ہوتا تھا بلکہ اب یہاں میرے ہم خیال لوگ اور بھی ہیں۔

تشریح

شاعرِ مشرق، مفکرِ اسلام علامہ محمد اقبال اسلامی جذبوں کے شاعر ہیں۔دیگر شعرا کی طرح ان کی غزل محبوب کے لب و رخسار اور ہجر وفراق تک محدود نہیں بلکہ وہ اپنی قوم کو امید، ہمت، خودی، خودداری اور جدوجہد کا درس دیتے ہیں۔

تشریح طلب شعر میں اقبال اپنی سابقہ تنہائی اور وقت کو یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلے میں اس دنیا کی محفل میں تنہا تھا۔کوئی میرا ہم خیال نہیں تھا۔اپنے نظریات اور خیالات کا میں تنہا داعی تھا۔کوئی بھی میرے ساتھ نہ تھا۔لیکن اب وہ زمانہ نہیں رہا بلکہ لوگوں کے اذہان وقلوب میرے ان نظریات اور خیالات کو قبول کرنے لگے ہیں۔اب اس سفر میں، میں تنہا نہیں ہوں بلکہ اور بھی بہت سے لوگ میرے ہم سفر ہیں اور میرے ہم راز ہیں۔اب پہلے سا نظریاتی اکیلا پن نہیں رہا۔اس راہِ فکر میں رازدان یعنی ہم خیال، ہم فکر اور ہم مقصد لوگ موجود ہیں۔آزادی کی جدوجہد اور علیحدہ مملکت کا تصور ابتدا میں برصغیر کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیے نیا تھا۔بہت سے مسلمان انگریزوں سے آزادی کے حق میں تو تھے لیکن علیحدہ مملکت کا تصور انھیں سمجھ میں نہیں آتا تھا۔لیکن اقبالؒ جیسے دور اندیش مفکر نے احساس دلایا کہ ہندوؤں کے ساتھ ایک ہی ملک میں رہنے سے مسلمانوں کی تہذیب ومعاشرت اور اسلامی روایات کو

نقصان پہنچے گا۔ شروع میں اقبالؒ کی اس سوچ سے اتفاق کرنے والا کوئی نہ تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلم رہنماؤں کو اقبالؒ کی بات درست معلوم ہوئی اور وہ بھی ان کے ہم خیال ہو گئے۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا (مجروح سلطان پوری)

دنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو صاحبِ بصیرت ہوتے ہیں۔ وہ عام لوگوں سے الگ سوچتے ہیں۔ ان کے نظریات اور خیالات کی گہرائی کو عام لوگ سمجھ نہیں پاتے۔ ایسے میں وہ لوگ معاشرے میں تنہا رہ جاتے ہیں اور کوئی انھیں سننے والا نہیں ہوتا۔ اقبالؒ بھی ایسے ہی صاحبِ بصیرت انسان تھے جو اپنے زمانے سے بھی آگے کا سوچتے تھے۔ ان کی فکر عالم گیر تھی۔ وہ پوری امتِ مسلمہ کی بیداری چاہتے تھے لیکن اس وقت ان کی بات سمجھنے والا اور سننے والا کوئی نہیں تھا۔ چناں چہ وہ کہتے ہیں پہلے میری حکیمانہ باتیں سننے پر کوئی آمادہ نہیں تھا لیکن اب صورتِ حال بدل چکی ہے۔ کچھ ایسے اہلِ ذوق اور دانش مند لوگ پیدا ہو چکے ہیں جو میری باتوں کو سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور اس سفر میں میرے ساتھ ہیں۔ اقبالؒ کے عظیم استاد پروفیسر آرنلڈ کہتے ہیں:

"اقبالؒ اپنے دور کے آدمی ہیں، بلکہ اپنے دور سے بھی آگے کے آدمی ہیں اور ہمہ وقت اپنے دور کے خلاف حالتِ جنگ میں ہیں۔"
(پروفیسر آرنلڈ)

''رازداں'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو شاعر کے دل کے راز سے واقف ہیں، جو اس کے نظریات، خیالات اور جذبات کو سمجھتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ بلند سوچ کا حامل انسان ابتدا میں تنہا ہوتا ہے، کوئی اسے سمجھنے والا نہیں ہوتا۔ لیکن اگر وہ اپنے مؤقف پر ڈٹا رہے اور مسلسل جدوجہد کرتا رہے تو وقت کے ساتھ ساتھ اس کے نظریات دوسروں تک پہنچتے ہیں اور کچھ لوگوں کے دلوں میں گھر کر جاتے ہیں۔ اس طرح ایک دن اس کے ہم خیال لوگ پیدا ہو جاتے ہیں۔

فنی محاسن شعر فنی محاسن سے بھرپور ہے۔ شعر میں ''انجمن'' کا استعارہ اور ''رازداں'' کا کنایہ نہایت بلیغ ہے۔

مشقی سوالات

1 درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں:

(الف) علامہ اقبالؒ نے عشق کی رسائی اور اس کے سفر کے بارے میں کیا کہا ہے؟

جواب: علامہ اقبالؒ عشق کی رسائی کے بارے میں کہتے ہیں کہ عشق کی رسائی ستاروں سے بھی آگے ہے اور ابھی عشق کے بہت سے امتحان باقی ہیں۔

(ب) شاہین کا کام کیا ہے اور اس کی منزل کون سی ہے؟

جواب: شاہین کا کام بلند پروازی ہے۔ اس کی منزل آسمانوں پر ہے۔ اس کے لیے ہر منزل کے بعد ایک نئی منزل ہے اور ہر بلندی کے بعد ایک نئی بلندی ہے۔ شاہین کی بلند پروازی ہمیشہ جاری رہتی ہے۔

(ج) کیا عالمِ رنگ و بو پر قناعت کر لینا ٹھیک ہے؟

جواب: علامہ اقبالؒ کے مطابق عالمِ رنگ و بو پر قناعت کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ تمھارا سفر رکنا نہیں چاہیے بلکہ مسلسل جاری رہنا چاہیے۔ کامیابی کی منزلیں ابھی باقی ہیں اور بہت سی نئی دنیائیں ابھی موجود ہیں۔

(د) ایک نشیمن کے کھو جانے پر کیا ردِ عمل ہونا چاہیے؟

جواب: اقبالؒ کے مطابق اگر ایک نشیمن کھو گیا ہے اس پر غم نہیں کرنا چاہیے۔ کیوں کہ اس وسیع و عریض کائنات میں اللہ تعالیٰ نے اور بھی جگہیں اور مواقع رکھے ہیں۔

(ہ) روز و شب اور زمان و مکاں کے بارے میں اقبالؒ کا کیا خیال ہے؟

جواب: اقبالؒ کہتے ہیں یہ روز و شب عارضی ہیں تو انھیں روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا بلکہ تیرے زمان و مکان ان کے علاوہ اور بھی ہیں۔

(و) علامہ اقبالؒ نے اپنی فکری تنہائی کے بارے میں کیا کہا ہے؟

جواب: اقبالؒ کہتے ہیں کہ وہ دن گئے کہ جب میں اکیلا ہی اس فکر کا حامل تھا۔اب میرے ہم خیال لوگ اور بھی ہیں۔

۲ درج ذیل کثیر الانتخابی سوالات میں درست جواب کی نشان دہی کریں:

(الف) عشق میں بہت سے ہوتے ہیں:

(i) مرحلے (ii) موڑ (iii) امتحان (iv) دشمن

(ب) ''تہی'' کا مطلب ہے:

(i) بھرا ہوا (ii) خالی (iii) بھرپور (iv) خوب صورت

(ج) مطلعے کے دونوں مصرعے لازمی ہوتے ہیں:

(i) ہم قافیہ (ii) ہم ردیف (iii) ہم معنی (iv) الف اور ب دونوں

(د) ''اور بھی ہیں'' اس غزل میں ہے:

(i) قافیہ (ii) مطلع (iii) ردیف (iv) مقطع

(ہ) ''عالمِ رنگ بو'' پر نہیں ہونی چاہیے:

(i) ہمت (ii) جرأت (iii) قناعت (iv) راحت

جوابات

الف	امتحان	ب	خالی	ج	ہم قافیہ	د	ردیف	ہ	قناعت

۳ اس غزل کی روشنی میں اقبال کے تصورِ حرکت و عمل اور فلسفۂ جہدِ مسلسل پر اظہارِ رائے کریں۔

جواب: علامہ محمد اقبالؒ حرکت و عمل کے شاعر ہیں۔خودی ان کے فلسفہ کی بنیاد ہے۔

علامہ اقبالؒ کے نزدیک خودی کی بقا اور ارتقا کا راز مسلسل جدوجہد اور حرکت و عمل میں پوشیدہ ہے۔ان کا فلسفہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ زندگی جمود کا نام نہیں، بلکہ ایک رواں دواں دریا ہے۔علامہ اقبالؒ کی شاعری کا مرکزی خیال خودی ہے۔خدا شناسی کے لیے خود شناسی بنیادی چیز ہے۔خودی کی مضبوطی کے لیے عمل ناگزیر ہے۔عمل کے بغیر خودی کمزور اور بے جان ہو جاتی ہے۔

علامہ اقبالؒ کے نزدیک زندگی ایک مسلسل امتحان اور سفر ہے۔ان کا یہ شعر اس فلسفے کی بہترین عکاسی کرتا ہے۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

انسان اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔عمل انسان کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ نئی دنیاؤں اور نئی منزلوں کی تخلیق کرے۔علامہ اقبالؒ نے تقدیر کے اس مفہوم کی نفی کی ہے جو انسان کو ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنا سکھاتا ہے۔ان کے نزدیک انسان کا عمل ہی اس کی تقدیر بناتا ہے۔

علامہ اقبالؒ کا کامل انسان (مردِ مومن) ہمیشہ حرکت میں رہتا ہے۔وہ مشکلات سے گھبرانے کی بجائے ان کا مقابلہ کرتا ہے۔ان کا فلسفہ ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ انسان کو کبھی بھی اپنی موجودہ حالت پر مطمئن نہیں ہونا چاہیے۔کامیابی کا راز ہمیشہ کوشش اور عمل میں ہے۔خود پر بھروسا کرنا اور جہدِ مسلسل کرنا کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے۔مشکل سے مشکل راستے پر چل کر ہی منزل مل سکتی ہے۔

۴ زیرِ مطالعہ غزل کے پہلے دو اشعار فہم کے ساتھ پڑھیں اور ان کی تشریح کرتے ہوئے اقبال کے درج ذیل اشعار کو پیشِ نظر رکھیں:

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر
محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

جواب: عملی کام۔

۵ درج ذیل الفاظ کو اس طرح جملوں میں استعمال کریں کہ ان کی تذکیر و تانیث واضح ہو جائے:

عشق امتحان تہی کارواں قناعت چمن
آشیاں نشیمن فغاں شاہیں پرواز انجمن

جواب:

الفاظ	جملے	الفاظ	جملے
عشق	ہمارا عشق ناممکن کو بھی ممکن بنا دیتا ہے۔	آشیاں	ہمارا آشیاں ہرا بھرا ہے۔
امتحان	زندگی ہر شخص کا امتحان لیتی ہے۔	نشیمن	ہر شخص کو اپنے نشیمن کی فکر کرنی چاہیے۔
تہی	ہمارا دامن نیکیوں سے تہی ہے۔	فغاں	یہاں کون کسی کی فغاں سنتا ہے۔
کارواں	ہمارا کارواں کس سمت جا رہا ہے۔	شاہیں	شاہین بلند پروازی سے تھک کر نہیں گرتا۔
قناعت	خدا نے جو دیا ہمیں اس پر قناعت کرنی چاہیے۔	پرواز	ہماری پرواز کو کوئی نہیں روک سکتا۔
چمن	خدا کرے ہمارا چمن سدا سلامت رہے۔	انجمن	ہماری انجمن کا ہر شخص پڑھا لکھا ہے۔

۶ علامہ اقبالؒ کے فلسفۂ خودی پر اظہارِ رائے کریں اور ان کے اشعار سے مثالیں بھی دیں۔

جواب: علامہ اقبالؒ کا فلسفۂ خودی ان کے اشعار کی روشنی میں بیان کرنا بہت مشکل ہے۔ ان کے کلام میں یہ فلسفہ پوری شدت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ علامہ اقبالؒ کے فلسفے میں خودی سے مراد انسان کا اپنی ذات پر بھروسا، خودداری اور جذبۂ عمل ہے۔ ان کے نزدیک انسان کو اتنی محنت کرنی چاہیے کہ خدا بھی اس کی تقدیر پوچھ کر خود اس کی مرضی سے طے کرے۔

یہ فلسفہ علامہ اقبال کے مشہور اشعار سے سمجھا جا سکتا ہے۔ یہاں خودی اپنے روایتی معنوں کی بجائے نئے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ خودی کا مطلب انا یا تکبر نہیں، بلکہ اپنی چھپی ہوئی صلاحیتوں کو سمجھنا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

؎ خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے

علامہ اقبالؒ ہمیشہ محنت اور جد و جہد کا درس دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان کو کبھی دوسروں کا محتاج نہیں ہونا چاہیے۔ خودی کی تکمیل عشق کے بغیر ناممکن ہے۔ عشق سے مراد کسی مقصد کے لیے سچی لگن اور قربانی کا جذبہ ہے۔ علامہ اقبالؒ کے نزدیک زندگی کا اصل نام حرکت اور مسلسل کوشش ہے۔

؎ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

کامل انسان وہ نہیں جو حالات کے سامنے ہتھیار ڈال دے۔ بلکہ وہ ہے جو اپنی قسمت خود بنانے کی طاقت رکھتا ہے۔

۷ زیرِ مطالعہ غزل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کی غزل گوئی کے نمایاں پہلو بیان کریں۔

جواب: علامہ اقبالؒ کی اس شہرۂ آفاق غزل میں بلند حوصلہ، عشقِ حقیقی اور مسلسل جد و جہد کا پیغام نمایاں ہے۔ یہ غزل اردو کی روایتی غزل سے الگ ہے۔ اس میں غمِ جاناں کی بجائے خودی، ترقی اور روحانی بلندی کا درس ملتا ہے۔

علامہ اقبالؒ کی غزل گوئی کی اہم خوبیاں عزم اور حوصلہ ہیں۔ علامہ اقبالؒ مایوسی کو گناہ سمجھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک منزل مل جائے تو رکنا نہیں ہے۔ آگے اور بھی دنیائیں موجود ہیں۔ ان کی شاعری میں عمل کی تحریک ہے۔ عشق میں ہر قدم پر نئے امتحانات آتے ہیں۔ انسان کو ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ علامہ اقبالؒ انسان کو تنگ دائرے سے نکلنے کا کہتے ہیں۔ وہ

کائنات کی وسعتوں کو تلاش کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ان کی غزل میں عشقِ مجازی کی جگہ جذبۂ عمل، خودی کی بیداری اور ملت کے لیے تڑپ پائی جاتی ہے۔ ان کی غزل صوفیانہ اور فلسفیانہ رنگ لیے ہوئے ہے۔

۸ فنی اور فکری پہلوؤں کو واضح کرتے ہوئے درج ذیل اشعار کی تشریح کریں:

اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم
مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

جواب: دیکھیے تشریح اشعار۔

۹ علامہ اقبالؒ اتحادِ امتِ مسلمہ کے بہت بڑے داعی تھے۔ مسئلۂ کشمیر اور امتِ مسلمہ کو درپیش ایسے دیگر مسائل کے حل کے لیے اتحاد بین المسلمین کی اہمیت اقبال کے اشعار کی روشنی میں واضح کریں۔

جواب: مسئلہ کشمیر اور امتِ مسلمہ کو درپیش دیگر مسائل کا حل ''اتحاد بین المسلمین'' میں پوشیدہ ہے۔ علامہ اقبالؒ نے کلمۂ توحید کی بنیاد پر تمام مسلمانوں کو ایک عالمگیر برادری قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک جغرافیائی سرحدیں بے معنی ہیں اور مسلمانوں کی بقا آپس کی محبت، اخوت اور باہمی تعاون میں ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ کے اشعار میں اتحادِ امت کی اہمیت اور مسائل کا حل واضح طور پر بتایا گیا ہے۔

علامہ اقبالؒ رنگ و نسل اور جغرافیائی قومیت کے سخت خلاف تھے۔ ان کا ماننا تھا کہ تمام مسلمان ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔

- ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے — نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

علامہ اقبالؒ کا تعلق خود کشمیر سے تھا اور وہ کشمیریوں کے دکھ درد کو شدت سے محسوس کرتے تھے۔ انھوں نے امت کو جھنجھوڑا کہ اگر ایک مسلمان تکلیف میں ہے تو پوری امت کا فرض بنتا ہے کہ اس کی مدد کرے۔

- آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور و فقیر — کل جسے اہلِ نظر کہتے تھے ایرانِ صغیر

علامہ اقبالؒ نے امتِ مسلمہ کو انسانی جسم کی مانند قرار دیا کہ اگر جسم کے ایک حصے میں چوٹ لگے تو سارا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کی طاقت ان کی باہمی محبت میں ہے۔

- ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو — اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا

آج کشمیر سمیت دیگر مسلم ممالک کو درپیش مسائل کی وجہ، مسلمانوں کا اپنی اصل طاقت کو بھول جانا ہے۔ مسلمانوں کی اصل طاقت خودی اور ایمان ہے۔

علامہ اقبالؒ کے مطابق جب تک مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی ''خودی'' اور غیرت و حمیت بیدار نہیں کریں گے، وہ دنیا میں اپنا کھویا ہوا مقام حاصل نہیں کر سکتے۔ قوم کا ہر فرد اہم ہے اگر وہ خودی سے واقف ہو جائے۔

- افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر — ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

علامہ اقبالؒ کے نزدیک کشمیری مسلمانوں کی مظلومیت اور امتِ مسلمہ کی پس ماندگی کا واحد علاج یہ ہے کہ تمام مسلم ممالک وقتی اور علاقائی مفادات کو بالائے طاق رکھ کر ایک مضبوط ''اسلامی بلاک'' یا اتحاد قائم کریں۔

۱۰ علامہ اقبالؒ کے درج ذیل اشعار غور سے پڑھیں اور آخر میں دیے گئے سوالات کے جوابات تحریر کریں:

لوح بھی تُو قلم بھی تُو، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

سوالات:

(i) یہ اشعار کس ہستی کی شان میں کہے گئے ہیں؟
(ii) ''لوح و قلم'' کے بارے میں مذہبی روایت کیا ہے؟
(iii) عبادت اور بندگی کے لیے کون سا جذبہ ضروری ہے؟
(iv) زندگی میں عقل اور عشق کا کیا عمل دخل ہے؟

جواب: (i) یہ اشعار حضور خاتم النبیین ﷺ کی شان میں لکھے گئے ہیں۔

(ii) اسلامی روایت کے مطابق لوح سے مراد ایک عظیم الشان تختی ہے اور قلم سے مراد ایسا آلہ ہے جس سے اس تختی پر کائنات کی ہر چیز کے بارے میں لکھ دیا گیا ہے۔ اس پر انسان کے رزق اعمال، عمر اور موت وغیرہ سب کچھ لکھ دیا گیا ہے۔ اسے تقدیرِ الٰہی بھی کہا جاتا ہے۔ ہر مسلمان کے لیے اس پر ایمان لانا لازم ہے۔

(iii) عبادت اور بندگی کے لیے عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا جذبہ ہونا بے حد ضروری ہے۔

(iv) زندگی میں عقل اور عشق دونوں کا بہت گہرا عمل دخل ہے۔ عقل غور و فکر اور تلاش و جستجو سکھاتی ہے۔ یہ ہر چیز کا واضح اور قابلِ دید ثبوت مانگتی ہے۔ عشق محبوب کی قربت اور دل کے اضطراب کا باعث ہے۔ یہ دل کو ہر وقت یقین اور اضطراب کی کیفیت میں رکھتا ہے۔